ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۱۴)

ڈاکٹر حافظ محمد مقصود

"اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے"

(گزشتہ سے پیوستہ)

اسلام کا نقطۂ نظر اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جو رائے دی جا رہی ہے اس کے پیچھے افراد کی گنتی (تعداد) کتنی ہے، بلکہ پہلے یہ دیکھتا ہے کہ رائے دینے والے افراد کے اندر اہلیت اور موزونیت کتنی ہے۔ اسلام جو ہر (QUALITY) کا قدر دان ہے، تعداد اور مقدار (QUANTITY) کا اندھا دھند پجاری نہیں۔ چنانچہ اس کی نگاہ میں پچاس عامیوں کے مقابلے میں دس سکالروں اور عالموں کی رائے زیادہ وزن دار اور اہمیت کی حامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس مفہوم کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ اسلام میں افراد کو تولا جاتا ہے، محض گنا نہیں جاتا۔ اس حقیقت کا ذکر سٹنڈل نامی فرنگی نے کیا تھا جسے اقبال نے ان الفاظ کا جامہ پہنا دیا ہے کہ ؎

اِس راز کو اِک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے،
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اب اِس کلیے کو ہمارے معاشرے پر منطبق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر اسّی فی صد لوگ "علمِ حقیقت" یا قرآن و سنّت کی رُوح سے ناآشنا اور جاہل ہیں، مگر چونکہ جمہوریت کی رُو سے رائے دینے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے چنانچہ اسّی فی صد ناواقفِ دین افراد کا نظرِ انتخاب اسّی فی صد ناواقفِ دین و اسلام ممبروں اور اُمیدواروں پر ہی پڑے گا۔ اسی طرح اسّی فیصد نشستیں اسمبلی کے اندر ناواقفِ دین افراد حاصل کر لیں گے۔ فرض کریں باقی بیس فیصد

نشستوں پر جیّد علمائے دین اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں (اگرچہ ایسا کبھی نہیں ہُوا اور نہ کبھی ہونے والا ہے) اور سُود کی ممانعت پر مبنی ایک دفعہ سامنے آتی ہے، تو بیس فیصد علمائے کرام قرآن وسنّت سے چاہے دلائل و براہین کے انبار لگادیں مگر جمہوریت کی اندھی شریعت تو علماء کے مؤقف کی قطعاً تائید وحمایت نہیں کرتی اور نہ کرسکتی ہے، کیونکہ تولنے کی شریعت (اسلام) میں بیس فی صد تو کیا پانچ فیصد علماء اور سکالروں کی علمیّت اور معقولیّت کا وزن بھی ایک بہت بھاری وزن ہے مگر گننے کی شریعت (جمہوریت) میں بیس فیصد وزن پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا چنانچہ معلوم ہوا کہ ہمارے معاشرے میں ایسی جمہوری لاڑلیوں سے نفاذِ دین کا مستقبل نہایت تاریک ہے۔

انتخابی سیاست کے متعلق اس ساری بحث وتمحیص سے یہ بات آئینے کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس قسم کی دھینگا مشتی سے اللہ کا کلمہ تو خیر کیا بلند ہوگا اُلٹ مغرب کی یہ بھونڈی نقل اسلام کی بدنامی اور ذلّت و رسوائی کا سروسامان ضرور فراہم کررہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن اسلامی جماعتوں نے نہایت خلوص و اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ انتخابی سیاست میں حصّہ لیا وہ بھی سوائے اس کے اور کوئی خدمت انجام نہ دے سکیں کہ خود بھی مضحکہ بنے اور دین کا بھی استخفاف کرایا۔

ربط و ضبطِ ملّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اِک ثمر
تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

تبلیغی جماعت

اس جماعت کی بناء تقسیمِ ہند سے ۲۰-۲۲ سال پہلے اخلاص و تقویٰ کے ایک پیکر

جلیل مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی۔ آج یہ ایک عالمی جماعت کی شکل اختیار کر چکی ہے، جس کی جانب لاکھوں بندگانِ خدا اپنے نفوس کے تزکیہ اور قلوب کے تصفیہ کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسی جماعت کی انتھک محنت و برکت نے ہزاروں زانیوں اور لاکھوں شرابیوں کو اپنے انہی کارہائے غلط کا جو اِن کی فطرتِ ثانیہ کا درجہ اختیار کر چکے تھے، دشمن بنا رکھا ہے۔ مگر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اخلاص و تقویٰ کی یہ ساری گہما گہمی صرف انفرادی یا مذہبی زندگی تک محدود ہے۔ اور اس محدود دائرے کے اندر چلت پھرت نے بحیثیتِ مجموعی پوری جماعت کے تصوّرِ دین کو محدود کر کے افسوسناک حد تک سکیڑ دیا ہے۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اُن کے پاس دین کا عظیم الشان آفاقی اور قرآنی تصوّر بلاکم و کاست موجود ہے، کمی جو کچھ بھی ہے اُن کے ریاسی طریق کار میں ہے۔ مگر تبلیغی جماعت کے ساتھ یہی حادثۂ فاجعہ پیش آیا ہے کہ اس کے تصوّرِ دین ہی میں ایک بڑا خلا ہے۔ اس جماعت کے متعلق مجھے یہ چند ضروری باتیں عرض کرنا ہیں:

۱۔ یہ ایک اصلاحی تحریک ہے، انقلابی تحریک نہیں ہے۔ اور جہاں بنیادی طور پر ایک بھاری بھرکم ظالمانہ اور باطل نظام موجود ہو وہاں انقلابی تحریک کا ہونا لازمی اور لابدی ہے، کیونکہ محض عقیدہ، عبادات اور معاملات کے اصلاح پر مبنی ایک تحریک معاشرے کے اندر دُور دُور تک بغیر کسی شیطانی اور طاغوتی مزاحمت کے پھیل سکتی ہے اور لاکھوں انسانوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے سکتی ہے، مگر وسعت و پھیلاؤ کی اِس فراوانی کے باوجود یہ کسی باطل نظامِ اجتماعی کو چیلنج کر کے اُس سے ٹکر نہیں لے سکتی۔ حالانکہ اسی ٹکراؤ اور کشاکش و تصادم ہی پر تو قوموں کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہے۔ اسی لیے تو چراغِ مصطفویؐ (حق) اور شرارِ بُولہبی (باطل) از آدم تا ایں دم ایک دوسرے کے ساتھ ستیزہ کار اور برسرِ پیکار رہے ہیں اور اسی خاکستر میں تو مردانِ حُر (ملّتِ عربی) کی تب و تاب اور فتح و کامرانی کا اخگر پوشیدہ ہے۔ اقبالؔ اسی حقیقت کا ذکر اِن جلالی الفاظ میں کرتا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملّتِ عربی

یا ایک دوسرے مقام پر ان ولولہ انگیز صداؤں کے ساتھ اُمّتِ مسلمہ کے دلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور ع "کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی" کے مصداق اُن سے مطالبہ کرتا ہے کہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری

ایک اصلاحی تحریک کی بہترین مثال مذہب عیسائیت ہے جو ایک مشنری اور تبلیغی مذہب ہے اور اس کو تبلیغ کرتے کرتے آج دو ہزار برس ہونے کو ہیں' مگر آج تک کوئی دلیل اس امر کی پیش نہیں کی جا سکتی کہ اس اصلاحی نظریے نے کبھی کسی ایک ملک کے اجتماعی نظام کو بھی تبدیل کیا ہو۔ چنانچہ جبریل و ابلیس کے ایک مکالمے میں جب جبریل ابلیس سے کہتا ہے کہ ع "کھو دیے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند!" چنانچہ تمہیں واپس افلاک پر آ کر عبادت اور روحانیت کا پیکر بن جانا چاہیئے' تو ابلیس فوراً جواب دیتا ہے کہ اگرچہ میں نے خدا کے ہاں وہ "مقاماتِ بلند" کھو دیئے مگر ایک اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا کہ زمین پر آ کر میں نے اسی عالمِ رنگ و بو کو ایک میدانِ جنگ اور رزم گاہِ خیر و شر بنا دیا۔ تمہارا کام ایک خانقاہی تربیت یافتہ کی طرح صرف جھکنا اور حکم کی تعمیل کرنا ہے، مگر میں اس طرح کے کسی بھی حکم کے مقابلے میں تلوار لے کر ٹکراؤ اور کشاکش کی پالیسی اختیار کر لیتا ہوں۔ تم فقط ساحل پر کھڑے ہو کر دُور دُور سے خیر و شر کی اس خون ریز جنگ کو دیکھ رہے ہو، جبکہ میں اسی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی بجائے ایک فریق (باطل) کی جانب سے جری سپہ سالار بن کر

طمانچے کھا رہا ہوں۔ اور اب ٹکراؤ اور جنگ و قتال کا اتنا رسیا بن چکا ہوں کہ عوام تو درکنار خضر اور الیاس جیسے باہمت انسان بھی میرے یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو طوفانوں کے سامنے بے بس اور بے دست و پا ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے اے جبریل، اب میرے لیے تمہاری اس خاموش، پُرسکون اور بے کاخ و کو افلاکی دنیا میں کوئی لذت اور مزہ باقی ہی نہیں رہا۔ یہاں اب میری گزر ممکن نہیں۔ میرے لیے تو اپنے مخالف نظریے کے ساتھ مسلسل ٹکراؤ اور خوں ریز کشمکش کی خاطر آگ اور خون کی وہ تپتی، قہریلی اور حرارتی دنیا چاہیئے جہاں میں ع" اِس خاک کو سیراب کرو خُوں سے خدارا" اور ع" رُکو نہیں، تھمو نہیں، کہ معرکے ہیں تیز تر" کے مصداق بیکراں دریاؤں کو چیرتا، محکم و مضبوط چٹانوں سے ٹکراتا اور سر بہ فلک پہاڑوں کو سر کرتا ہُوا آگے بڑھتا چلوں۔

آہ اے جبریل تُو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو
اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں!
کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاخ و کُو
دیکھتا ہے تُو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تُو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو
گر کبھی خلوت مُیسّر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصّۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہُو؟
مَیں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تُو فقط اللہ ہُو، اللہ ہُو، اللہ ہُو

(جاری ہے)